Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کے حلقے میں لئے دیر تک اُسے ہلکورے دیتا رہا، جیسے اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اُسے اپنے ساتھ لگائے لگائے سو گیا، گویا روزمرہ کی بات ہو۔ جب اُس کی آنکھ کھُلی تو دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ وہ نعش کو سینے سے چمٹائے چارپائی پر لیٹا رہا۔ جب دروازہ ٹوٹنے کے قریب پہنچا تو اس نے اُٹھ کر کنڈی اُتاری۔ باہر گاؤں کا گاؤں اُمڈ آیا تھا۔ یعقوب اعوان ہلکے پیروں چلتا ہجوم کے بیچ سے گزر کر صحن میں آبیٹھا۔ اگست کی صُبح کا سُورج اس کی جلد کو جلا رہا تھا۔ اس حدت میں اس کا ابلتا ہوا ذہن ایک نقطے پہ مرکوز تھا۔ آج زندگی کے اختتام پر بھی، ان بوڑھی نیم وا آنکھوں میں، زینب کے صرف دو رُخ قائم تھے۔ ایک اندھیری رات میں اُس کے فرار کا منظر، اور پھر سالوں بعد اپنے باپ کے گھر میں چارپائی پہ پڑا وہ تیکھے نقوش والا زرد رُو چہرہ جو اس بجھتے ہُوئے دماغ کے دُھندلکے میں ایک ستارے کی مانند چمک رہا تھا۔ عُمر بھر کے اختلاط کے بعد یعقوب اعوان کو صرف وہ رات یاد رہی تھی جب وہ اُس بے دخل جسم کو اپنے ہاتھ پاؤں کی آغوش میں لئے اُس میں اپنی جان کا کوئی حصّہ ڈالنے کی سعی کرتا رہا تھا۔

اب اُس کے آگے نیم اندھیرے کا لمحہ لوٹ کے آیا جس کے اندر متعدد سال فراٹے بھرتے ہُوئے گزر رہے تھے۔ نومولود بچّے کو زینب کی چھوٹی بہن اپنے پاس لے گئی۔ اُس کی پیدائش کے اگلے روز مُلک کا بٹوارہ تکمیل کو پہنچا۔ یعقوب اعوان کے دِل میں مُحبت کا جذبہ زوال پا گیا تھا، گو قربانی کا جذبہ برقرار رہا۔ سرفراز کو وہ ایسی شفقت نہ دے سکا جیسی اعجاز کو دی تھی، مگر اس کی پرورش اُس نے بڑے دھیان سے کی۔ جب سرفراز تین سال کا ہوا تو یعقوب اعوان اُسے اپنے پاس لے آیا اور اپنے ہاتھوں میں اسے پالنے لگا۔ بٹوارے کے تین ہی ماہ کے بعد جب اُس کے دِل میں یقین ہو گیا کہ بیس میل دُور اس کا آبائی گاؤں ایک دُوسرا مُلک تھا جہاں اس کا واپس جانا ناممکن ہو چُکا تھا، یعقوب اعوان نے قدم جمانے کے لئے دوڑ دُھوپ شُروع کر دی تھی۔ چھ ماہ کے اندر اُسے نُورپور کے قریب موضع شجاع آباد میں ساڑھے بارہ ایکڑ زمین اور ایک ٹُوٹا پھوٹا گھر الاٹ ہو گیا تھا۔ اُس کی چھاتی پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ زمین اُس نے ٹھیکے پر دے دی۔ مگر ایک سال کے بعد ہی جب اعجاز نے شہر کے کالج میں داخلہ لینے کی ضِد کی تو آدھی زمین رہن رکھ کر اخراجات پُورے کرنے پڑے۔ اگلا سال گزرنے پر یعقوب اعوان نے اپنے تین سالہ بیٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرفراز کو اپنے گھر لے کر آنے کی ضد کی۔ اب وہ اور اعجاز مِل جل کر اپنی روٹی ہانڈی کرنے کے قابل ہو چکے تھے۔ پھر اس سے اگلے سال، جب اعجاز نے ایف۔ اے پاس کر لیا، تو اس کی ضد کے باوجود یعقوب اعوان نے باقی کی آدھی زمین بھی رہن کر کے اعجاز کی شادی اس کی ماسی کی بیٹی سکینہ سے کر دی۔ اب اُن کا گھر بس گیا تھا مگر آمدنی بند ہو گئی تھی۔ اعجاز اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں ماسٹر ہو گیا۔ سکول دو سال کے اندر مڈل کے درجے تک بڑھا دیا گیا اور اعجاز اُونچی جماعتوں کو پڑھانے لگ گیا۔ اب اس کی تنخواہ سے گزارے کے علاوہ بچت بھی ہونے لگی تھی۔ مگر سرفراز، جو اُسی سکول میں داخل ہو چکا تھا، ابھی تیسری جماعت میں تھا کہ یعقوب اعوان کی چھاتی بیٹھ گئی، گویا اِس برسوں کی شکستہ عمارت کی چھت بالآخر منہدم ہو گئی ہو۔

اب جان کنی کا آخری لمحہ آ پہنچا تھا۔ اس لمحے میں اب یعقوب اعوان کی آنکھوں میں نہ زینب رہی تھی نہ اعجاز اور نہ سرفراز۔ اب اس کی نظروں کے سامنے صرف اپنے گاؤں کبیر سنگھ والا کا جنوبی منظر رہ گیا تھا، جو اس نے چار سال پہلے آخری بار رات کے اندھیرے میں دیکھا تھا۔

یعقوب اعوان کسی کام کے سلسلے میں ضلع کچہری سے واپس آ رہا تھا کہ رستے میں اُسے سکھوں کا ایک چھوٹا سا گروہ دکھائی دیا جو سڑک کے کنارے رُک کر ایک ہوٹل سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ یعقوب اعوان بے اختیار ان کی جانب کھنچا گیا۔ ہوٹل کے باہر نصب شدہ ٹونٹی سے اُس نے پانی کا گھونٹ پیا اور فارغ ہو کر سکھوں کے اردگرد منڈلانے لگا۔ پھر کسی بہانے اس نے اِن سے بات چیت شروع کر دی۔ یہ جتھہ مذہبی مقامات کی زیارت کے لئے پاکستان آیا تھا۔ یعقوب اعوان ان کے پاس بنچ پر بیٹھ گیا۔

"کبیرے کا خشونت سنگھ میری تائی کا رشتے دار ہے،" ایک سکھ یعقوب اعوان کی بات سُن کر بولا۔

"آپ کی بڑی مہربانی اگر آپ ایک پیغام کبیرے کے بھگت سنگھ تک پہنچا دیں،"

"ضرور جی ضرور مہاراج، کوئی خدمت بتائیں۔"

"اُس سے کہیں کہ ہاتھ پڑے تو آ کر مِل جائے۔ وقت کا کیا پتا ہے۔"

"بالکل دُرست کہا۔ وقت کا کسے پتا ہوتا ہے۔ بس جاتے ہی سندیسہ بھجوا دونگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ فِکر نہ کریں۔"

"آپ کی بڑی کرپا بھائی جی۔"

تین مہینے نِکل گئے۔ یعقوب اعوان اس بات کو بُھول چُکا تھا کہ ایک روز آدھی رات کے وَقت اُس کے دروازے پر دستک ہُوئی۔ گھر سے باہر آنے پر اس کا سامنا دو آدمیوں سے ہُوا جو مُنہ اَور سَر کالی چادروں میں لپیٹے تاریکی میں کھڑے تھے۔

"یکُوب اوان؟" ایک نے سوال کیا۔

یعقوب اعوان کو محسوس ہوا کہ یہ آواز اَور یہ لہجہ اگر وہ ہزار آدمیوں کے شور میں بھی سنتا تو پہچان جاتا۔

"بھائیا بھگت سنگھ۔" وہ چلّا کر بولا۔

"ش ش ---- چُپ کر، کٹوانے کی صلاح ہے؟ چل اَندر۔"

بھگت سِنگھ کے ہمراہ اُس کا ایک چاکر بلونت سِنگھ تھا۔ "بلونتا ادھر سے ہی گیا ہوا ہے، تیرے جانے کے بعد آیا تھا۔" پھر وہ بلونت سِنگھ سے بولا، "یکُوب اپنے جگُو کا یار تھا۔"

یعقوب اعوان کو بھگت سِنگھ کے بیاہ کا دِن یاد آیا جَب بھگت سِنگھ دولہا بنا گھوڑی پہ سوار کِسی ریاست کا راج کمار معلوم ہوتا تھا۔ آب اس کی داڑھی مونچھ کے بال سفید اَور بدَن فربہ ہو چُکا تھا۔

"زینب کدھر ہے؟" اُس نے پُوچھا۔

"وہ تو اللہ کو پیاری ہو گئی۔" یعقوب اعوان نے بتایا۔

"چل پر ماتما کو ایسا ہی منظُور تھا۔ کِس کا زور چلتا ہے، سب کا چل چلاؤ ہے۔ یاد ہے جِس رات کو تو زینب کو اُٹھا کے لایا تھا؟ صُبح سویرے جَب اُس کے وارث پیچھے آئے تو سارا دِن ہم ان کے پیَر پکڑتے رہے تھے۔ مزے تُو نے کئے اَور پیر ہم نے پکڑے، ہیں؟" وہ یعقوب اعوان کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ یعقوب اعوان کو کھانسی کا دورہ اُٹھا۔

"تیرا سِینہ ابھی نکارہ ہی ہے؟"

یعقوب اعوان نے کھانستے ہُوئے اثبات میں سَر ہلایا۔ جَب اُس کی کھانسی رُکی تو وہ مُسکرا دیا۔ کئی سال کے بعد زینب کی یاد نے پَل کے پَل کو اُس کے دِل میں خُون کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یورش پیدا کی تھی۔

"اجاز کہاں ہے؟" بھگت سنگھ نے پوچھا۔

"اپنی بی بی کو لے کر ماسی کو ملنے گیا ہے، اگلے گاوں میں۔ سکول میں ماسٹر ہو گیا ہے۔ اُس کا بیاہ بھی کر دیا ہے۔"

بھگت سنگھ نے چارپائی پہ سوئے ہوئے چار سالہ سرفراز کی جانب اشارہ کر کے پوچھا، "اجاز کا ہے؟"

"میرا ہے۔ جس رات کو ہم کبیرے سے آئے اسی رات کو پیدا ہوا تھا۔ زینب نے اس کی شکل نہیں دیکھی، نہ اِس نے ماں کی دیکھی۔"

"کسی کا زور نہیں بھائیا۔ کسی کا زور نہیں۔"

رات کے پچھلے پہر تک وہ تینوں بیٹھے دودھ کے پیالوں کے ساتھ دِن کی بچی ہوئی روٹیاں کھاتے اور باتیں کرتے رہے۔ بھگت سنگھ نے بتایا کہ اس کا باپ اور چچے جسونت سنگھ اور ارجن سنگھ تینوں فوت ہو چکے ہیں۔ "کسی کا زور نہیں بھائیا، کسی کا زور نہیں،" یعقوب اعوان نے بار بار دُہرا کر کہا۔ "یہ بتا بھائیا، میرے گھر کا پتہ کیسے نکالا؟"

"یہ سب بلونتے کا کھیل ہے۔ اِس سارے علاقے کو جانتا ہے۔ دو دِن میں اس نے کھوج لگا لیا۔ آنے جانے کا بھی کوئی معاملہ نہیں یکوب،" بھگت سنگھ نے کہا۔ "ہم تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ جسوندر کی ماں ڈھڈی والے میں گہنا دبا گئی تھی، چوتھے دِن میں نکال کے لے گیا۔ باڈر پر پہرہ ہے، پر سارے رستے تو حکومت والے بند نہیں کر سکتے۔ آنے جانے کا کوئی معاملہ نہیں۔"

دن نِکلنے میں دو گھنٹے رہتے تھے کہ بھگت سنگھ جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا باہر صحن میں نِکل کر یعقوب اعوان نے اُس سے کہا۔ "میرا دِل کرتا ہے بھائیا کہ کبھی جا کر ایک نظر کبیرا دیکھ آؤں۔ وَقت کا کیا پتا ہے۔"

"ابھی چلا چل یکوب، دیر کِس بات کی ہے؟"

یعقوب اعوان لحظہ بھر سوچ کر بولا، "پھر ایک بات مان، بھائیا۔"

"بول۔"

"آج کا دِن رُک جا، کل اجاز آجائے گا۔ بچے کو اُس کے حوالے کر کے رات کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیرے ساتھ چلا چلوں گا۔"

"بھگت سنگھ نے بلونت سنگھ کی جانب دیکھا۔ "تیرے چک میں ہمارا اور کوئی واقف کار نہیں۔ حالات کی خبر نہیں ہوتی۔"

"کوئی فکر فاقہ نہیں بھائیا، سب میرے اُوپر چھوڑ دے،" یعقوب اعوان خوش ہو کر بولا۔ "بس یہ دعا کر گاؤں میں کوئی واردات نہ ہو۔ پُلس آکر چار چار دن بیٹھ جاتی ہے۔"

"کیوں بلونتے،" بھگت سنگھ نے پوچھا، "کیا خیال ہے؟"

"جیسے مالک کی مرضی،" بلونت سنگھ نے کہا۔

"اِدھر چار پائیاں تیار ہیں، آرام سے دونوں سو جاؤ،" یعقوب اعوان نے کہا۔ "دِن گزرنے کا پتا نہیں چلے گا، نہ کوئی دیکھے گا نہ بھالے گا۔ دوپہر تک اجاز بھی آجائے گا۔"

یعقوب اعوان نے جلدی سے گھی اور شکّر ملا کر باجرے کا آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں۔ پھر اُس نے چائے بنائی۔ تینوں نے مِل کر اُن کا ناشتہ کیا۔ پھر یعقوب اعوان نے نئے کھیس نکال کر چارپائیوں پہ بچھا دیئے۔ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہُوئے سو گئے۔ یعقوب اعوان نے سرفراز کو سبق پڑھنے کے لئے مسجد جانے اور گھر سے باہر قدم رکھنے سے منع کر دیا۔ بچّہ دِن بھر اپنی چارپائی پہ بیٹھا مہمانوں کی پگڑیوں، اُن کے کیسوں اور داڑھی مونچھوں کے بالوں کو دیکھتا رہا۔ دوپہر کے وقت اعجاز بھی پہنچ گیا۔ وہ سکینہ کو دو دِن کے واسطے اس کی ماں کے پاس چھوڑا آیا تھا۔ باپ بیٹے نے مِل کر دو مرغیاں ذبح کیں۔ اعجاز تنور سے روٹیاں لے آیا۔ سُورج غروب ہونے میں کچھ وقت تھا جب بھگت سنگھ اُٹھ بیٹھا۔ بلونت سنگھ گہری نیند سو رہا تھا۔ بھگت سنگھ نے پیار کے اُسے اُٹھایا۔ سرفراز سمیت سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔

"ایک بات کا مجُھے خیال آیا ہے یکُوب اوان،" بھگت سنگھ نے کہا، "بیس کوس کا رستہ ہے۔ چلا چلے گا؟"

"کیوں نہیں،" یعقوب اعوان نے جواب دیا۔ "عمُر چلتے چلتے گزُری ہے۔ میرے سینے میں کمزوری ہے، پر ٹانگوں نے مجُھے کبھی جواب نہیں دیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیرمل پہنچ کر دلدار سنگھ سے گھوڑے لے لیں گے،" بھگت سنگھ نے کہا۔

"ابا، چاچے احمد سے گھوڑے لے آؤں؟" اعجاز نے پوچھا۔

"مروانے کی صلاح ہے، ماسٹر صاحب؟ عقل کی بات کرو۔ باذر تک تو چھپ چھپا کر جانا ہے۔ گھوڑوں کا کام نہیں، پیروں کا ہے،" بھگت سنگھ اپنے پاؤں ٹھونک کر بولا۔

"بیرمل سے آگے گھوڑے کیسے جائیں گے؟" اعجاز نے سوال کیا۔

"اُس طرف کوئی نہیں پوچھتا، کسی کو کیا پتا تیرا ابا ہندو ہے، مسلا ہے کہ عیسائی ہے۔ ہمارے تو گرو نے کیس اور داڑھیاں گلے میں لٹکا دی ہیں، دور سے دیکھ کر ہی پہچانے جاتے ہیں۔"

"کوئی فکر فاقہ نہیں بھائیا،" یعقوب اعوان نے کہا، "ساری رات چلنا پڑے تو پیر جواب نہیں دیں گے۔"

"کالا نمک ہے؟" بھگت سنگھ نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"اجاز، جا دُکان سے کالا نمک لے آ۔"

اعجاز کالا نمک لے کر آیا تو بھگت سنگھ نے چکھ کر دیکھا۔ "ٹھیک ہے،" وہ بولا، اور پُڑیا یعقوب اعوان کے ہاتھ میں دے دی۔ "کھانسی آئے تو چٹکی بھر زبان پر رکھ لینا۔ تیرے سینے کا دورہ ہمیں جیل خانے نہ پہنچا دے۔"

تاریکی میں ہلکے ہلکے پھُرتیلے قدم دھرتے ہوئے، آبادیوں سے کترا کر نکلتے، ندی نالوں سے بچتے بچاتے ہُوئے تین بے آواز سائے جب بیرمل پہنچے تو پھر یعقوب اعوان کو علم ہوا کہ اُنہوں نے سرحد پار کر لی ہے۔ وہاں پر اُنہوں نے دلدار سنگھ کے گھر سے دُودھ کے پیالے پیئے اور اُس کے گھوڑوں پہ سوار ہو کر چل پڑے۔

یعقوب اعوان کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ جیسے جیسے کبیر سنگھ والا قریب آتا جا رہا تھا، اُس کا دِل بدلتا جا رہا تھا۔ اس کے ارادے ڈھیلے اور ہاتھ باگ پہ کستے جا رہے تھے۔ کئی بار وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا۔

"کیا بات ہے یکوب،" بھگت سنگھ نے پوچھا، "جانور اڑیل ہے؟"

"نہیں بھائیا،" وہ ہولے سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعقوب اعوان ایک مخمصے میں اُلجھ گیا تھا۔ اُس کا آدھا جی آگے بڑھنے کو اور آدھا پیچھے لَوٹ جانے کو کر رہا تھا۔ اُسے اپنے احساس کی مرضی پہ اعتبار نہ رہا تھا اَور اپنی چاہ کی کوئی خبر نہ مِل رہی تھی۔ جَب وہ گاؤں کے سامنے پہنچ گئے تو اُس نے بھگت سِنگھ سے کہا۔

"بھائیا، تو ڈیرے پر چلا جا۔ میں ذرا اُس طرف سے پھیرا لگا کر آتا ہُوں۔"

"چل میں بھی چلتا ہو،" بھگت سِنگھ نے کہا۔

"نہیں تُو جا، میں ابھی آجاتا ہُوں۔"

"یکُوب، تُو میری حفاظت میں ہے۔ میرا دِل ہے کہ تو لوگوں کو میرے ڈیرے پر چل کر ملے۔ تیرے سامنے اُن کو شرمسار کروں۔"

"فکر نہ کر بھائیا، آواز نہیں نکالوں گا، بس ادھر جنوب کی طرف ایک چکّر کاٹ کر آجاؤں گا۔"

اس جنوبی راستے سے یعقوب اعوان اَور اس کا کُنبہ گاؤں چھوڑ کر گیا تھا۔ اور یہی گاؤں کا وہ رُخ تھا جِس کی جانب اُس کے کھیت تھے اَور جِس راستے کو پچاس برس کی عُمر تک اُس نے ہر روز اپنے قدموں سے ماپا تھا۔ اب یہ ایک اجنبی راستہ تھا۔ اپنی عُمر میں وہ اُس کے ایک ایک گڑ ہے، ایک ایک پتھر اَور ایک ایک موڑ سے واقف تھا، یوں کہ آنکھیں بند کر کے آ اور جا سکتا تھا۔ اب پتھر اپنی جگہ سے ہل گئے تھے اَور سارے اُتار چڑھاؤ تبدیل ہو چکے تھے۔ قدم قدم پر ٹھوکر کا سامان تھا۔ یعقوب اعوان ایک بار گھوڑے پر سوار اَور دُوسری بار پیدل چل کر گاؤں کی حد تک گیا اَور واپس آیا تھا، مگر اُسے پتا نہ چل سکا کہ یہ اس کی بھُول تھی یا محض وہم، یا کہ حقیقت میں راستہ اپنے رُخ بدَل چُکا تھا۔ اُس کے کھیت البتہ اپنی جگہ پر موجُود تھے۔ ایک کھیت میں گنّے کی فصل کھڑی تھی، ایک میں مکی تھی۔ سبزیوں کے کھیت میں گوبھی، شلغم اَور مونگرے تیار تھے۔ کچُھ رقبے میں کپاس کھڑی تھی۔ ایک علاقہ گیہوں کی بیائی کے لئے خالی پڑا تھا۔ یعقوب اعوان نے ایک گنّے کے پودے پر نرمی سے ہاتھ پیرا۔ گنّے کے خُشک پتے کی دھار سے اُس کی اُنگلی پر ہلکا سا چیر آگیا۔ وہ اُنگلی مُنہ میں ڈال کر چوسنے لگا۔ مگر چیر سے خُون نہ نِکلا تھا۔ برسوں کے کھردرے ہاتھوں پر چنڈیاں بنی تھیں جِن میں خُون کی رمق نہ تھی۔ اُس نے اُنگلی مُنہ سے نکال کر کرُتے سے پونچھ لی۔ اُسے اپنی زمین کی خصلت یاد آئی۔ اس کا گنا گاؤں بھر میں سب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رس دار ہوا کرتا تھا۔ دُوسروں کے کماد کے مقابلے میں اس کا کماد مرلے میں ڈیڑھ گنا زیادہ گڑ دیتا تھا۔ بدلے میں جو زمین شجاع آباد میں اُسے ملی تھی وہ گزارا کرتی تھی مگر کبیرے کی زمین جیسی لائق نہ تھی۔ کھیتوں کے کنارے کنارے قدم رکھتا ہوا وہ مکی کے کھیت تک پہنچا۔ یعقوب اعوان کی مکی کا چھوٹے سے چھوٹا بھٹہ، اُس نے یاد کیا، ایک ہاتھ لمبا ہوتا تھا، اَور پوہ کے آخر تک، جب دُوسروں کی مکی پک کر سُرخ ہو چکی ہوتی تھی، اُس کے بُھٹے کے سفید دانوں سے دُودھ نِکلا کرتا تھا۔ سردیوں کی دعوتوں میں دُوسرے کِسان اور زمیندار اس سے بُھٹے مانگ کر لے جاتے تھے، جنہیں وہ دُودھ میں اُبال کر مہمانوں کو پیش کرتے تھے۔ اعوانوں کی زمین کا "شیریں بھٹہ" علاقے میں مشہور تھا "تیری چھلّی پر انگور لگتے ہیں، یکُوب اوان،" لوگ کہا کرتے تھے، "تیری زمین میں شکّر ہے۔" وہ ہاتھ بڑھا کر ایک بُھٹے کے ریشم جیسے پتوں کو سہلانے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ایک بُھٹے کو چھیل کر دیکھے کہ اس کی خاصیت وَیسی کی وَیسی تھی یا کہ کھیت میں پڑنے والے رستے کی مانِند بدل چکی تھی۔ اُس نے زبان پہ اپنی مکی کے دُودھ کے مزے کو محسوس کیا جِس میں تالو کو بھانے والی ہلکی سی مٹھاس اَور کنوؤں کے گہرے پانیوں کی سی حلاوت تھی۔ اشتہاء کے غدودوں سے لعاب بہہ کر اُس کے دانتوں میں بھرنے لگا۔ مگر بھٹہ توڑنے سے پہلے اُس کے دِل کو ایک انجانے وسوسے نے گھیر لیا اَور وہ مُڑ کر وہاں سے لَوٹ آیا۔ کِیکر کی ٹہنی سے اُس نے گھوڑے کی باگ کھولی اَور سوار ہو کر اُسے قدم قدم چلانے لگا۔ کچھ دُور جا کر اُسے بھگت سِنگھ کا ڈیرہ نظر آیا۔ وہ ڈیرے کی دیوار کے قریب پہنچا تو بلا ارادہ اِس کے ہاتھوں نے باگ کھینچ لی۔ ڈیرہ گلی کے کونے پہ تھا، اَور دروازے تک پہنچنے کے لئے اُسے کونے کا موڑ مڑنا تھا۔ اُس دروازے کچھ فاصلے پر یعقوب اعوان کا پُرانا گھر نظر آتا تھا۔ گھوڑا موڑ سے پہلے کھڑا تھا اَور اس پہ سوار یعقوب اعوان کا دِل پھڑک رہا تھا۔ آخر اُس نے جی چھوڑ دیا۔ اُس نے گھوڑے کا رُخ پیچھے کو موڑا اَور اُسی سُست چال سے قدم قدم چلاتا واپسی کے رستے پر ہو لیا۔ صرف ایک بار کھیتوں کے پاس رُک کر اُس نے اپنے پیچھے گاؤں پہ نِگاہ ڈالی، جِس کی مٹیالی دیواریں اَندھیرے میں جھلملا رہی تھیں۔

جِسم کا لہو اب ایڑیوں سے لے کر ٹھوڑی تک خُشک ہو چُکا تھا اَور آنکھیں اُس آخری منظر کو لئے لئے ٹھہر گئی تھیں۔ ایک اَور ساعت گزُری تو وہ آنکھیں پتھر بن گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانچ ساعتوں کے اندر زِندگی تصویروں کی صُورت گزُر کر معدوم ہو گئی۔ یعقوب اعوان کو رونے والوں میں اعجاز تھا اَور اُس کی ماسی۔ اعجاز کی بیوی سکینہ مرنے والے کی طویل اذیت سے تھک ہار کر رو رہی تھی، اور بچّہ ماسی کی موٹی موٹی چھاتیوں کے دباؤ اَور اُس کے آنسوؤں سے گھبرا کر سسک پڑا تھا۔ جَب اعجاز نے اپنے آٹھ سالہ بھائی کو اُٹھا کر کندھے سے لگایا تو وہ خود بھی رو رہا تھا۔ بچّے کا رونا نہ تھما تو اعجاز نے اپنے آنسو خُشک کیے اَور اُسے اُٹھائے ہُوئے باہر صحن میں نِکل آیا۔

"چُپ، سرفراز، ش ش،" وہ پیار سے بچّے کی پُشت پہ ہاتھ پھیرتے ہُوئے بولا، "چُپ کر جاؤ۔ چُپ۔ سب کچُھ ٹھیک ٹھاک ہے، کوئی بات ہی نہیں۔ چُپ۔ سو جاؤ۔ اب سوو وو جاؤ ووو ۔۔۔۔۔"

اعجاز صحن میں رُک کر کھڑا کھڑا دائیں اَور بائیں ہلنے اَور ناک میں گُنگنانے لگا۔ اُسے کوئی لوری نہ آتی تھی۔ کچُھ دیر تک وہ اسی طرح سرفراز کو ہلکورے دیتا، اس کی پُشت پر ہاتھ پھیرتا اَور ایک غیر یقینی سی دُھن گُنگناتا رہا سرفراز کی کسمساہٹ بند نہ ہُوئی تھی، گو سسکیاں رُک چُکی تھیں۔

"اب سو جاؤ۔ شاباش،" اعجاز اُس سے متواتر باتیں کر رہا تھا۔ "تُم تو اب بڑے ہو گئے ہو۔ کل تُم آٹھ سال کے ہو گئے تھے۔ کل میں نے مٹھائی لے کر دی تھی ناء؟ تُم اب جوان ہو گئے ہو۔ آج پاکستان کی سالگرہ بھی ہے۔ پاکستان بھی آج آٹھ سال کا ہو گیا ہے تُم پاکستان سے بڑے ہو۔ تُمھیں پتا ہے، تُم پاکستان سے پُورا ایک دِن بڑے ہو، دیکھا؟ بڑے آدمی نہیں رویا کرتے۔ چلو اب سو جاؤ۔ شاباش۔"

اعجاز کو اَور کچُھ نہ سُوجھا تو قومی ترانہ گُنگنانے لگا۔ یہ سرفراز کو بھی زبانی یاد تھا۔ ہر روز صُبح سویرے، سکُول لگنے سے پہلے، ساری جماعتیں میدان میں جمع ہو کر، اَور اگر بارش ہو تو سکُول کے برآمدوں میں، سارے ماسٹروں سمیت، سب مِل کر قومی ترانہ گایا کرتے تھے، اَور سرفراز اکثر اِسے گھر پہ بھی گاتا رہتا تھا۔

"پاک سَر زمین شاد باد کِشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزَ یقین شاد باد۔۔۔۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان جانے پہچانے الفاظ اَور مانوس دُھن کو سُن کر سرفراز کے دِل کو چین آنے لگا۔ وہ اِن الفاظ اَور اس دھن کو، جو سکُول کے ہر کِسی سبق سے زیادہ اس کی یاد کا حِصّہ تھے، دِل ہی دِل میں اعجاز کی آواز کے ساتھ ساتھ دُہرانے لگا۔

"پاک سَر زمین کا نظام قُوّتِ اُخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت پائندہ، تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد ----

اُسے اعجاز کے الفاظ، "تُم پاکستان سے بڑے ہو" باربار یاد آرہے تھے۔ جب تَک اعجاز، اُسے کندھے سے لگائے لگائے، آخری الفاظ "سایۂ خُدائے ذوالجلال" تک پہنچا، سرفراز کو دِل میں یقین آچُکا تھا کہ چونکہ وہ پاکستان سے پُورا ایک دِن بڑا ہے، اِس لئے یہ ترانہ اب اُس کی ملکیت ہے۔ اپنے چھوٹے سے ذہن میں اِس خیال کے آتے ہی سرفراز نے محسوس کیا کہ جیسے اُس کے ہاتھ میں کوئی قیمتی مال آگیا ہو۔ اُس کا دِل اب ٹھہر چُکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حِصّہ دوم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 3

پت جھڑ کا موسم تھا۔ شیشم، نیم اَور بکائن کے پتے دِن بدَن پیلے ہو کر گرتے جا رہے تھے اَور موسمی بگولے اُنہیں اُڑاتے پھرتے تھے۔ دُھوپ کا زور ٹُوٹ چُکا تھا اَور ہوا میں جاڑوں کا بدلتا ہوا رنگ تھا۔ کپاس کی فصل تقریباً چُنی جا چکی تھی اَور اس کی ٹہنیوں کے ڈھینگر اُٹھا لئے گئے تھے۔ اس مچھٹی سے اب کِسان حقے کی چلموں کے لئے آگ بناتے تھے۔ جب کہ اس کا ایک حِصّہ کھلیانوں میں ذخیرہ کر لیا گیا تھا، تاکہ سردیوں کی بارش میں گیلے بالن کے ساتھ چولہوں میں جلانے کے کام آئے۔ اس سے فارغ شدہ کھیت اب گیہوں کی بیائی کے لئے تیار کئے جا رہے تھے۔ خُشک مٹّی کو پانی سے گہرا نم کر کے دُھوپ اَور ہوا میں چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ اس کی رگوں میں نئی توانائی پیدا ہو، اَور جب ہل چلے تو زمین کے لب تازہ بیج کو وصول کرنے کے لئے وا ہو جائیں۔ وتر کے انتظار میں کِسانوں کو چند روز کی مہلت مِل گئی تھی، جِس کو وہ روئی منڈی میں لیجانے، مقدموں کی پیشیاں بھگتنے، چھوٹے موٹے جھگڑے چُکانے، شادی بیاہ کے میلوں ٹھیلوں اَور دُنیا کے دیگر کاموں میں صرف کر رہے تھے۔ جو لوگ ان مصروفیات سے فارغ ہو چکے تھے وہ کھیتوں کا ایک چکّر لگانے اَور مویشیوں کی دیکھ بھال کے بعد رات گئے تک ایک دُوسرے کے ڈیروں پہ بیٹھے حقے گڑگڑاتے اَور باتیں کرتے رہتے تھے۔ سن انیس سو سینتالیس کا سال تھا، اَور یعقوب اعوان ابھی اپنی بیوی کے بھائی عُمر دراز کے گھر میں ٹھہرا ہُوا تھا۔ یہ موضع ڈُھڈّی والا تھا جہاں زیادہ تر راجپوت قوم کے لوگ آباد تھے۔ اتفاق سے یہ یعقوب اعوان اَور بھگت سِنگھ دونوں کا سُسرالی گاؤں تھا، گو سِکھوں کے کنبے اب یہاں سے کُوچ کر کے جا چُکے تھے۔ عُمر دراز کی بہن اَور یعقوب اعوان کی سالی، جو اپنی بہن کی فوتیدگی کے بعد اس کا نومولُود بچّہ پالنے کے لئے اپنے ساتھ لے گئی تھی، اپنے خاوند احمد خان کے گھر ساتھ والے گاؤں موضع چک مروڑ جو عرف عام میں چک بیاسی (82) کہلاتا تھا میں رہتی تھی، جو بیشتر راجپوتوں کی ہی آبادی تھی۔ اعوانوں کا ایک قریبی گاؤں شجاع آباد تھا، اَور دُوسرا جہان آباد، جو کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ گو اِتنا دُور نہ تھا کہ پیدل چل کر نہ جایا جا سکے۔ نُور پور اس علاقے کا بڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قصبہ تھا جہاں ڈِسپنسری، بڑا تھانہ، ڈاک خانہ اَور نائب تحصیلدار کی کچہری واقع تھی۔ اِنتظامی اُمور کی رو سے یہ علاقہ تحصیل لاہور کا حِصّہ تھا۔

یعقوب اعوان کی آمد کے بعد جو سب سے پہلی تبدیلی رونما ہُوئی وہ اُس کے نام سے اعوان کا لفظ حذف کیا جانا تھی۔ یہاں سب لوگ نام کے ساتھ اپنی قوم کا لفظ کبھی کبھار، صرف لکھنے پڑھنے کی حد تک یا پھر تکلف کے طور پر استعمال کرتے تھے، عام تخاطب اَور گفتگو میں محض نام ہی بلُایا جاتا تھا۔ پہلے پہل جَب یعقوب اعوان کو خالی اُس کے نام سے مخاطب کیا گیا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ننگا ہو گیا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ وہ اس کا عادی ہو گیا۔ اعجاز کی اعوان کہلانے کی عادت اِتنی پکّی نہ بنی تھی۔ اُسے اِس تبدیلی کا احساس ہی نہ ہُوا۔

ایک شَام کو عُمر دراز کے احاطے میں حُقّہ گرم تھا اَور شجاع آباد سے تین آدمی ایک تجویز لے کر آئے ہُوئے تھے۔

"یکُوب،" شیر بہادر مخاطب ہُوا، "تو اس گاؤں کا داماد ہے۔ ہماری بیٹی تو اللہ کو پیاری ہو گئی۔ مگر خُدا کا شکُر ہے کہ تو سِکھوں کے گڑھ سے جان بچا کر نِکل آیا۔ تیرے بچّے تیرے پاس رہ گئے ہیں۔ ایک تو بچارا مہاتڑ ہے، مقدر میں زِندگی لکھی ہے تو بچ جائے گا۔ اب تو جو دو چار کِلّے الاٹ کرانے کے لئے جُوتیاں چٹخاتا پِھرتا ہے تو کون تجھے سیانا کہے؟"

جِس دِن یعقوب اعوان زینب کے مُردہ جِسم کو چھوڑ کر چارپائی سے اُٹھا اَور باہر صحن میں جاکر بیٹھ گیا تھا، اُس دِن سے اس کا ذہن رُک چُکا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی آنکھوں میں بھی فرق آگیا تھا۔ بینائی گو متاثر نہ ہوئی تھی، مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ نظر ٹھہر گئی ہے۔ وہ جَب مُنہ اُٹھا کر بات کرتا تو نہ اُس کے چہرے پر کوئی تاثر ہوتا اَور نہ آنکھوں میں پہچان، ایسا لگتا جیسے سِینے سے اُوپر اُوپر کی بات کر رہا ہو۔

"میری ساڑھے بارہ کِلّے زمین ہے۔" یعقوب اعوان نے کہا۔

"اوے بے عقلے، ہے کہاں؟ وہ تو اُدھر رہ گئی۔ اب واپس جانے آنے کی بات چھوڑ۔ ادھر بے انت زمین خالی پڑی ہے۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کر قبضہ کر رہے ہیں اب تُو اپنی قوم میں آگیا ہے۔ ادھر اوانوں میں اتفاق ہے۔ تیرا لڑکا اللہ کے فضل سے جوان ہے۔ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تین گھرانے متفق ہیں، تو بھی آکر ساتھ مل جا۔ رائے بشن داس کے دس مُربعے خالی پڑے ہیں۔ ڈھائی ڈھائی ہر ایک کے حِصّے آجائیں گے۔"

اعجاز اپنے باپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اُس نے پُوچھا، "وہ ہماری ملکیت میں ہو جائیں گے؟"

"ہاں۔"

"کیسے؟"

"جتھا بنا کر جائیں گے۔ زمین پر بشن داس کے کمّی بیٹھے ہیں، انہیں ذرا دھمکا کر دوڑا دیں گے اَور قبضہ کرلیں گے۔ ساری دُنیا کر رہی ہے۔"

"زمین تو مہاجروں کے محکمے کی ہے۔" اعجاز نے کہا۔

"یکُوب مہاجر نہیں تو کیا ہے؟ تین مہینے سے بارہ کِلّے کے کاغذ لے کر پھر رہا ہے۔ کیا ملا اس کو؟ ہم کہتے ہیں کِلّے وِلّے چھوڑ۔ عرضی نویس کو پچاس روپے چڑھا تو کِلّے کی جگہ مُربعے لکھ دے گا۔ کِسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ پھر اپنی نولی جاکر قبضہ کر لے گی۔ کاغذ ہمیں پکڑا دے، آگے ہم جانیں اَور ہمارا کام۔"

"محکمے والوں کو کیا جواب دیں گے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"میں کہتا ہوں اس کام کو ہمارے پر چھوڑ دے۔"

"فلک شیر اوان مہاجرین کے محکمے میں ڈپٹی چیف کمشنر لگا ہوا ہے،" علی بہادر نے تشریح کی، "نُورپور کے اوانوں کو اُس نے مہاجنوں کے امرودوں کا باغ الاٹ کرا کے دیا ہے۔ کاغذ واغذ سب اپنے پاس سے بنا کر دیئے ہیں۔ برادری کا آدمی ہے، ہل نہیں سکتا۔"

"ساری قبضے کی بات ہے،" شیر بہادر بولا، "ایک بار جا کر بیٹھ جائیں تو پھر کوئی نہیں اُٹھا سکتا۔ دفتری کام فلک شیر کرتا رہے گا۔ بس ایک چھوٹے موٹے کلیم کے کاغذ کی ضرورت ہے۔ کیوں یکُوب، مُنہ سے کچُھ بول، ہاں یا نہ کر۔"

یعقوب اعوان نے بے جان سا چہرہ اُٹھا کر شیر بہادر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے سمجھی کی ٹھہری ہُوئی پتھراہٹ تھی۔ "میرے ساڑھے بارہ کِلّے ہیں،" وہ بولا۔

"اجاز تیرے ابّے کی تو عقل بند ہو گئی ہے،" شیر بہادر جاتے جاتے بولا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب تو ہی اُسے سمجھا۔ کاغذ کے بدلے آدھا مربّع اُس کے حصّے سے اُوپر دے دیں گے۔ آدھی حویلی بھی تیرے نام کر دیں گے۔ اَور تجھے کیا چاہئے؟ پر یہ دیر کرنے والا معاملہ نہیں۔ بڑے لوگوں کی نظریں اس جائیداد پر لگی ہُوئی ہیں۔ اَیسے مَوکے بار بار نہیں آتے۔"

اب اس بات کو بارہ برس گزُر چکے تھے۔ وہی موسم آن لگا تھا شیشم کے پیڑ ننگے ہوتے جا رہے تھے اَور ہوا کی تار ٹُوٹ ٹُوٹ کر جگہ جگہ سے چھوٹے بڑے خود مختار دائیروں میں جھپاکے مارتی ہُوئی اُٹھ رہی تھی۔ گرے ہُوئے پتے ان دائیروں کے اَندر لٹو کی طرح چکّر کھاتے ہُوئے اُٹھتے اَور پھر گِر کر بکھر جاتے تھے۔ دُھوپ میں حلاوت آتی جا رہی تھی۔ اُس وَقت دِن ڈھلنا شرُوع ہو چُکا تھا، مگر اعجاز کا ذہن دوپہر کے واقعہ سے ابھی تک پریشان تھا۔ وہ سکُول چھوڑ کر گھر آگیا تھا۔ گھر پہنچ کر وہ کچُھ کھائے پیئے بغیر سیدھا چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔ "سر دبا دوں؟" سکینہ نے ایک دو بار پُوچھا، مگر اعجاز نے نفی میں سر ہلا کر آنکھیں موند لیں تھیں۔

جب وہ چار سال کا تھا تو گھوڑے پر بیٹھنے کی ضِد کیا کرتا تھا۔ اس کا دادا ایوب اعوان اُسے رنگیلی پر اپنے آگے بٹھا کر کھیتوں کو لے جاتا تھا۔ اس وَقت ایوب اعوان کی نظر بند ہونا شرُوع ہو چکی تھی۔ جَب رنگیلی چلتے چلتے رکتی تو وہ اپنے پوتے سے پُوچھتا، "اجاز، آگے کھالی آگئی ہے؟" بچّہ سر موڑ کر دادا کے مُنہ کو دیکھتا، اَور جواب دیتا "ہاں"۔ "چل پھر ذرا دھیان سے بیٹھ،" ایوب اعوان کہتا، اَور باگیں کھینچ کر احتیاط سے رنگیلی کو کھال کے اُوپر سے گزار لیتا۔ نظر خراب ہونے کے باوجُود ایوب اعوان آخری دم تک کھیتوں میں کام کرتا رہا تھا۔ اعجاز بچپن سے اس کی کہانیاں سُن سُن کر بڑا ہُوا تھا۔ وہ اپنی ماں کو تو ماں، مگر دادا کو باپ سمجھتا تھا۔ یعقوب اعوان کی حیثیت بچّے کے شعور میں صرف ایسے وجُود کی حد تک تھی جو رات کو اُس کے اَور اس کی ماں کے برابر والی چارپائی پر سوتا تھا، اَور رات بھر کھانستا رہتا تھا۔ اُس نے کبھی کھیتوں میں ہل نہ چلایا تھا، سارا سارا دِن کھیس کی بکل میں کھیتوں کے کنارے بیٹھا رہتا تھا۔ اُس کے پاس صرف ایک ہی کہانی تھی جو وہ کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھار سنایا کرتا تھا، اور وہ بھی ایسی جس سے خوف آئے۔۔۔۔ کہ کس طرح ایک تنگ سی خندق میں گیس کا ناگہانی حملہ ہوا تھا۔ جس نے سینہ مروڑ کے رکھ دیا تھا اور جان لبوں تک آگئی تھی۔ دادا کی کہانیاں مختلف اور متفرق تھیں۔ وہ گھڑ سواروں کی، وارداتوں کی، نیزہ زنوں، ڈکیتوں اور عزتوں کے انتقاموں کی داستانیں تھیں جن سے جی پھڑک اُٹھے۔ اعجاز چھ سال کا تھا جب دِل کے دھڑکے سے دادا کھڑا کھڑا، دھڑام سے گر کر مر گیا تھا۔ یعقوب اعوان کوشش کے باوجود اپنے باپ کے آدھے دھڑ کو بھی نہ ہلا سکا تھا، جسے چار کڑیل جوانوں نے اُٹھا کر چارپائی پہ ڈالا تھا۔ اس دِن سے بچے کی زِندگی گویا اپنے محور سے ذرا سی ہٹ کر ایک متزلزل کیفیت میں قائم ہو گئی تھی جیسے کوئی ایک ٹانگ پہ کھڑا مسلسل توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں ہو۔ ایک عرصے تک اُس نے اپنے آپ کو یکہ و تنہا پایا۔ یعقوب اعوان کی تمام تر جارحیت گویا اسی ایک رات کو ختم ہو چکی تھی جب وہ زینب کو اُس کے گھر سے نکال کے لایا تھا۔ اب وہ محض ایک اکائی کی صُورت میں اندر اور باہر گھومتا تھا جب کہ گھر کا انتظام زینب کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ آہستہ آہستہ، جیسے جیسے سال گزرتے گئے، اعجاز کے دِل میں اپنے باپ کی حیثیت کا شعور جاگنے لگا۔ پہلے پہل اُسے اپنے آپ کو باپ کی سرپرستی میں دینے سے کچھ سکون حاصل ہُوا۔ یعقوب اعوان نے عمُر بھر میں اپنی طرف سے صرف ایک بات کی تلقین کی تھی۔۔۔۔ کہ بیٹا تعلیم حاصل کرو۔ جب اعجاز پندرہ سال کی عمُر میں گھر آکر اپنے باپ سے مخاطب ہوا، "ابا، میں دسویں جماعت پاس ہو گیا ہوں،" تو یعقوب اعوان بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔ اُس کے اگلے دانت گر چکے تھے، اور چہرے کی جلد کاغذ سی باریک ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وقت دفعتاً اعجاز کو احساس ہوا کہ ان دونوں کی جگہیں ایک دُوسرے سے بدل گئی تھیں۔ اب باپ اس کی حفاظت میں آنے کا حقدار تھا۔

"سوبار چاچے کو کہا ہے میرے ابے سے ادھار لے کر آدھی زمین چھڑا لے۔ سنتا ہی نہیں،" سکینہ نے اعجاز سے کہا۔

سکینہ پہلے بھی یہ بات کر چکی تھی۔ اب اعجاز نے پہلی بار اُسے جواب دیا۔ "ابے کو کرنے دو جو وہ کرتا ہے۔"

باپ کے بارے میں دو دِلا احساس رکھنے کے باوجود اعجاز کے دِل میں اس کی محبت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہولے ہولے پل رہی تھی۔ اُس کے باپ نے زِندگی بھر کوئی شکایت نہ کی تھی، نہ صحت کی خرابی کی نہ کھانسی کے زور کی۔ اعجاز نے اُسے صرف دوبار بے قابو ہوتے ہُوئے دیکھا تھا۔ پہلی بار جَب چنبیلی مری تھی، اس وقت وہ گھوڑی کے پاس زمین پہ بَیٹھا کئی منٹ تک سَر کو ہاتھوں پہ رکھے آنسو بہاتا رہا تھا۔ دُوسرا موقعہ اُس رات کو آیا تھا جَب اُنہوں نے گاؤں چھوڑا، سرفراز پیدا ہوا، اَور زینب نے جان دے دی تھی۔ اس موقعے کے بعد اعجاز نے اپنے باپ کو ہنستے ہُوئے نہ دیکھا تھا، سوائے اس وَقت کے جب اعجاز نے اُسے میٹرک پاس کرنے کی خبر سنائی تھی۔ اعجاز کے اپنے اَندر اس حادثے نے احساس کی ایک ایسی جکڑ پیدا کر دی تھی جِس نے اُس کے حواس میں گویا ایک ساتھ نرمی اَور سختی کا مِلا جُلا نظام رائج کر دیا تھا۔ یہ اس کی متزلزل زِندگی کی مزید ایک منزل تھی، مگر ایسی منزل کہ جِس نے اُس کے اَندر ایک انوکھے توازن کو جنم دیا تھا جو صرف اسی کی ذات سے مخصوص تھا۔ باپ کی سادہ لوحی اَور قناعت نے اعجاز کے اَندر سادہ لوحی اَور قناعت تو نہیں، مگر فقط سادگی اَور بیش بہا عزم کا پودا سینچا تھا۔ اس رات کے بعد اپنے باپ کے لئے اُس کے دِل میں جہاں مُحبت اَور حفاظت کے جذبات رہے تھے۔ وہاں گہری ہم نوائی اَور رحم کا نیا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اس دِن کے بعد ہر چند کہ اُسے یعقوب اعوان کی سوچ کے رک جانے کا عِلم تھا، مگر اُس نے کبھی اپنے باپ کی بات نہ کاٹی تھی۔ جَب یعقوب اعوان نے اس کا رشتہ طے کر کے باہر ہی باہر باقی کی آدھی زمین بھی رہن کر دی تھی۔ اَور شادی پر زیور اور کپڑے کے علاوہ دس دیگیں پکوا کر ساری برادری کو مدعو کیا تھا تو اعجاز اُس کے کِسی کام کی مخالفت نہ کر سکا تھا۔ اعجاز نے اپنے دادا ایوب اعوان کو جو مکمل سایہ اپنے بیٹے کو مُہیّا کرتے ہوئے دیکھا تھا، یعقوب اعوان کی مَوت کے بعد اعجاز کا وہ تمام تر جذبہ سرفراز کو منتقل ہو گیا تھا۔

سرفراز بستہ اُٹھائے گھر میں داخل ہُوا۔

"بھُوک لگی ہے،" وہ بستہ پھینک کر بولا۔

"پہلے بستہ سیدھا کر کے رکھ،" سکینہ نے سختی سے کہا۔

"آ آ---- بی بی----"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آ آ بی بی کچھ نہیں، چل بستہ سیدھا کر۔ تجھے لالے کی بات یاد نہیں رہتی؟"
سرفراز ہاتھ پاؤں چھڑکاتا ہوا جا کر بستہ، جو اُلٹے مُنہ آدھا چارپائی سے نیچے لٹک رہا تھا، سیدھا کر کے رکھنے لگا۔

"بھتّھو پکائے ہیں،" سکینہ اب نرمی سے بولی، "بیٹھ کر کھا لے۔ چنگیر میں روٹیاں پڑی ہیں۔"

اعجاز نے آنکھیں کھول دیں۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے خیالات سے باہر نِکل آیا۔ اس کا جی گھبرا رہا تھا۔ وہ چارپائی سے اُٹھ کر دروازے کی جانب چل پڑا۔ "باہر جا رہا ہُوں،" وہ سکینہ سے بولا، "واپس آ کر کھانا کھاؤں گا۔"

"لالہ، میں بھی آؤں؟" سرفراز نے پُوچھا۔

"تُم روٹی کھاؤ۔"

"کھا لی ہے۔" سرفراز نے جلدی سے آدھی روٹی ہاتھ پہ رکھی، اُس پہ بچا ہوا سالن اُنڈیل کر وہ اعجاز کے پیچھے دَوڑ پڑا۔ دونوں چلتے ہُوئے گاؤں سے باہر نِکل آئے۔ اعجاز ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھے، سَر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ سرفراز احتیاط سے ہاتھ پہ دھری روٹی کے نوالے توڑ توڑ کر، بینگنوں کے سالن سے لگا کر کھاتا ہوا پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ اپنے کھیتوں سے بھی آگے نِکل آئے تو سرفراز نے پُوچھا،

"لالہ، کہاں جا رہے ہیں؟"

اعجاز جو اپنے خیال میں چلا جا رہا تھا، چونک پڑا۔ "گھر چلے جاؤ۔"

سرفراز نے زور زور سے نفی میں سَر ہلایا۔ کچھ دُور جا کر سرفراز نے کہا۔ "مجھے پیاس لگی ہے۔"

"چلو اُس کنوئیں سے پیتے ہیں،" اعجاز نے کہا۔

کنواں ساکن تھا۔ اعجاز نے گاڈی پہ ہاتھ جمائے اَور ٹانگوں کے زور پر دھکیلنے لگا۔ دو چکّر کاٹتے کاٹتے اُس کا دَم پھُول گیا۔ اگلے سِرے پر سرفراز نے ٹین کی نالی سے گرتی ہُوئی پانی کی دھار سے مُنہ لگا کر گھونٹ گھونٹ پانی پیا۔ پیاس بُجھانے کے بعد سرفراز نے دونوں ہاتھ نالی کے آگے رکھ کر پانی روک دیا۔ "لالہ آ جاؤ،" وہ بولا۔

اعجاز بھاگ کر پہنچا۔ سرفراز نے ہاتھ ہٹائے تو بقیہ پانی گرنے لگا۔ اعجاز نے اوک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اُس کے چند گھونٹ پیئے۔ پھر دونوں نے آستینوں سے ہونٹ خشک کئے اور ہاتھ جھٹک جھٹک کر ان کا پانی خشک کیا۔

"لالہ، گھر چلیں؟" سرفراز نے پوچھا۔

"مَیں آگے جا رہا ہُوں۔ تُم چلے جاؤ۔"

"نہیں،" سرفراز نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا۔

دونوں پھر آگے پیچھے چلتے ہُوئے کچی سڑک پر پہنچ گئے۔ چلتے چلتے سرفراز پیچھے رہ جاتا، کبھی رُک کر خودرو پھُولوں کو توڑنے لگتا، پھر دوڑتا ہُوا اعجاز سے جا ملتا۔ اعجاز اپنے خیال میں مگن چلا جا رہا تھا، حتیٰ کہ وہ ڈھڈی والے کے نواح میں پہنچ گیا۔ اب وہ رائے بشن داس کی حویلی اور ملحقہ زمین کے برابر سے گزر رہا تھا۔ سڑک پکّی کرنے کی منظوری کئی سال پہلے ہو چکی تھی مگر ابھی کام شروع نہ ہُوا تھا۔ یہ زمین دس سال پیشتر شیر بہادر اور اُس کے دو عزیزوں نے اپنے نام لگوالی تھی۔ اعجاز نے یاد کیا کہ جب پہلی بار شیر بہادر اور اُس کے ساتھی اس زمین پر قبضہ کرنے کی تجویز لے کر یعقوب اعوان کے پاس آئے تھے اور ناکام ہو کر واپس لوٹے تھے تو اُس کے بعد اُنہوں نے مزید ایک کوشش کی تھی۔ صُورت یہ نِکل کے آئی تھی کہ متروکہ املاک کے چیف کمشنر جو یُو۔پی، ہندوستان، کے رہنے والے تھے، اتنی بڑی جائیداد کے معاملے میں محض اپنے ڈپٹی چیف کمشنر فلک شیر اعوان کی زبان پر اعتبار کرنے کی بجائے کلیم کرنے والے شخص کو دُوبدو دیکھنا چاہتے تھے۔ شیر بہادر اور اُس کے ساتھی دوبارہ یعقوب اعوان کے پاس آئے، اور اس بار اُنہوں نے اُسے اس بات پہ راضی کر لیا کہ جو بھی زمین حاصل ہو گی اس میں سے اگر وہ زیادہ لینا نہیں چاہتا تو ساڑھے بارہ ایکڑ کا بہترین "ٹکڑا" برلب سڑک اُسے دے دیا جائے گا۔ یعقوب اعوان خُوشی سے مان گیا۔ مگر ایک اور دِقت بیچ میں آن پڑی تھی۔ فلک شیر اعوان نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ کوئی یُو۔پی کا رہنے والا مہاجر تلاش کر کے لاؤ۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ حکُومت کے ایک قانون کے مطابق، مشرقی پنجاب کا مہاجر اپنے کلیم کے اصل کاغذات مُہیّا کرنے کا ذمہ دار تھا جب کہ یُو۔پی کے رہنے والوں کو ایک سادہ حلفیہ بیان کے ذریعے بیس پچیس ہزار یونٹ جائیداد الاٹ کر دی جاتی تھی۔ فلک شیر کا کہنا تھا کہ اس طریق کار کے بیچ کاغذات میں نام پتے کا ادل بدل نسبتاً آسان تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تُو اُردو تو بول لیتا ہے ناء" شیر بہادر نے یعقوب اعوان سے پُوچھا۔

"ہاں، جنگ میں افسروں سے اُردو ہی بولتا تھا۔ مگر اب بُھول گیا ہُوں۔"

"یا ہاں کر یا نہ کر۔ اگر مگر کا سوال نہیں ہے۔ چل، ذرا بول کے دکھا۔"

یعقوب اعوان نے کچھ ہُوں ہاں ہنک کر کے کوشش کی، مگر اُس کے مُنہ سے کوئی لفظ ادا نہ ہو سکا۔ "بُھول گیا ہُوں۔"

"اچھا، میرے پیچھے پیچھے دُہرا کے بول۔ ٹھیک ہے؟" شیر بہادر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

"ابے سالے، کیا بک بک لگا رکھی ہے۔"

"ابے سالے کیا بک لگائی ہے۔" یعقوب اعوان نے دُہرایا۔

"یکُوب، کان کھول کے سن۔ تیار ہے؟"

"ہاں۔"

"ابے سالے، کیا بک بک لگا رکھی ہے۔"

"ابے سالے، کیا بک بک لگائی ہُوئی ہے۔"

"لگا رکھی ہے۔"

"لگا رکھی ہے۔"

"اب پُورا بول کے دکھا" شیر بہادر نے کہا۔

"ابے سالے، کیا بک بک لگا رکھی ہے۔"

شیر بہادر نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا سب نے اثبات میں سر ہلا۔ "تھوڑی مشق کی ضرورت ہے،" علی بہادر نے کہا، "دُرست ہو جائے گا۔"

"اچھا یکُوب، اب تو سمجھ کہ میں صاحب بہادر ہُوں۔"

"تو صاحب بہادر ہے؟" یعقوب اعوان نے بے یقینی سے پُوچھا۔

"اصلی نہیں، نقلی۔ تُو فرض کر لے کہ میں جائیداد الاٹ کرنے والا صاحب بہادر افسر ہُوں۔ تو سائل بن کر آتا ہے، اپنا نام بتاتا ہے اَور کاغذ پیش کر کے بات کرتا ہے۔"

یعقوب اعوان اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شیر بہادر نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

"بیٹھ جا، بیٹھ جا۔ ابھی مشق ہو رہی ہے۔" یعقوب اعوان بیٹھ گیا۔ ایک دوبار گلا صاف